علمی روزنامچہ

از مولانا حکیم سید ابوالنظر رضوی

اسلام اور نظریۂ تمدّنی

اسلام ایک فطری مذہب ہے اور اُس کی تعلیم انسان کی انفرادی، اجتماعی اور نفسیاتی زندگی کے ہر راز سے آشنا، یہ چیز مجھے بارہا محسوس ہوئی اور یہ دیکھ دیکھ کر میں اکثر حیران رہ گیا کہ ایک اُمّیؔ انسان کی زبان سے جو کچھ بھی نکلا وہ کہاں تک فطرت انسانی کے ہر پہلو سے آگاہ ہونے کا ثبوت تھا۔ انسان نے جب سے اس کائنات رنگ وبو میں قدم رکھا ہے تاریخ کا ہر ورق اور آثار قدیمہ کا ہر نقش آپ کو بتائیگا کہ اُس نے زندگی کو تابناک اور پاکیزہ بنانے کے لیے ہر طلوعِ صبح پر ایک جدید نظریہ، جدید لائحہ عمل اور جدید قانونِ حیات کا اختراع کیا۔ مگر آفتاب غروب بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اُس نے اپنی فکر وتجربہ کے نتائج کو شکست کرتے ہوئے دوسرے راستہ کا انتخاب کرلیا۔ جمہوریت، شہنشاہیت، اشتراکیت، اشتمالیت نہ معلوم کون کون سی "جمالیاتی اصنام" اُس کے دماغ نے ہر تمدن کے آغاز پر بنائے مگر کوئی بھی مستقل قانون کے ذریعہ فطرت کی تشنگی نہ بجھا سکا۔ لیکن ایک اسلام کے نظریات ہیں کہ آج تک شکست ہونے میں ہی نہیں آتے نہ صرف یہ بلکہ دنیا جس حد تک ذہنی، سیاسی اور اخلاقی اعتبار سے ترقی کرتی جارہی ہے۔ اُس کے نظریات پائندہ تر ہوتے جارہے ہیں۔ کیونکہ اُس کا ہر اصول فطرتِ انسانی کے سانچہ میں ڈھالا گیا تھا جو کسی انسان کا کام نہیں ہوسکتا۔ ایک انسان اپنے تمدنی دور میں جس قدر تجربات حاصل کرتا ہے وہ فطرتِ انسانی

کے رموز و نکات کا صرف ایک حصّہ ہوتے ہیں۔ کائنات انسانی کا ہر پہلو اُس کی نگاہ میں جذب نہیں ہو سکتا اور اسی لیے اُس میں کمزوریاں باقی رہ جاتی ہیں۔

ایک متبنّٰی بنانے کے معاملہ ہی کو لے لیجیے۔ اہل عرب نے بھی اسے جائز رکھا تھا اور ہندوستان کا ویدک مذہب بھی اجازت دیتا ہے کیونکہ غالباً ان دونوں قوموں کا نظریہ وہ ہی تھا جو "ایام جاہلیت" میں میرا نظریہ بھی رہ چکا ہے۔ میں نے روزنامچہ کے پچھلے صفحات میں کسی جگہ لکھا تھا اور ایک معنی میں بالکل درست لکھا تھا کہ "حقِ وراثت کا راز محبت میں مضمر ہے نطفہ کے زائیدہ روابط میں نہیں" اگر ہمارے اعزا کو ہم سے محبت نہیں تو ہمارے اوپر اُن کا کوئی حق بھی نہیں ہو سکتا ہم اُس شخص کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے اپنا سرمایہ کیوں نہ محفوظ کر دیں جس نے ہمارے احساسات کے زیر و بم پر اپنی زندگی کو رقص کرنے کی فرصت دی ہو۔ دنیا میں ایک محبت ہی ایسی چیز ہے جو حقوق کی بنیاد ہو سکتی ہے نہ کہ نطفہ محض نطفہ کے چند قطرات اتنی جاذبیت نہیں رکھتے کہ وہ زندگی کی تمام تلخیوں کو شیرینی میں تبدیل کر سکیں۔ محبت اور نطفہ کا اخلاقی توازن ہرگز مساوی نہیں ہو سکتا۔ کیا نطفہ کی بیگانگی پر محبت کی یگانگت کو ٹھکرا دینے کی اجازت دی جا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ لہذا جب یہ نظریہ تسلیم کر لیا گیا تو پھر متبنّٰی بنانے اور اپنا سرمایہ کسی ایک نوجوان کو سپرد کر دینے اور نطفہ کے تمام حقوق منتقل کر دینے میں کیا حرج ہو سکتا ہے؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نظریہ میں بعض مسامحات ہیں جن تک نہ میری نگاہ پہنچ سکی نہ اُن قوموں اور مذاہب کی جنہوں نے اس کی اجازت دی۔ میری غلط فہمی کا باعث تو یہ تھا کہ میرے ماحول میں کوئی ایسا رشتہ دار نہ تھا جس کو فطری طور پر مجھ سے قریبی تعلق ہوتا۔ ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی ماں باپ رخصت ہو گئے۔ بہن بھائی پیشتر سے ہی کوئی نہ تھا۔ یعنی میں اپنے ماحول میں تنہا تھا۔

اور بالکل تنہا۔ میرے گرد وپیش جتنے اعزا تھے وہ سب بعید تعلق رکھنے والے اس لیے ان کو قدرتاً مجھ سے وہ تعلق اور محبت نہ ہوسکتی تھی جو میرے جذبات کی تسکین کا باعث ہوسکتی وہ نہ میری تکلیف کا احساس کرسکتے تھے نہ میری مسرت سے اُن کے جذبات میں تازگی پیدا ہوسکتی تھی۔ اس لیے میں ایک گم کردہ راہ مسافر کی طرح فضا کی تاریکیوں میں روشنی کی ایک ایک کرن کو ترس رہا تھا اور ستاروں کی ایک ایک جھلملاہٹ کے لیے بے چین اور ایسا کرنے پر مجبور بھی تھا۔ ایک پیاسا ہرن جس کے چاروں طرف دور دور تک پانی کا قطرہ نہ ہو جس طرح سراب کو دیکھ کر اُس کی آنکھیں چمک اٹھتی ہیں ایسے ہی میں بھی فطری محبت کے ذوق سے ناواقف ہونے کی بنا پر اکتسابی محبت کو ہی سب کچھ سمجھ رہا، اور نظریات کا اختراع کر رہا تھا میں محبت کا پیاسا تھا اور وہ کہیں نہ ملتی تھی اس لیے میری نگاہ جب کبھی کسی "سرابِ محبت" پر پڑی اُس ہی طرف کو دوڑا اور جہاں محبت کے طور کا جلوہ نظر آیا وہیں پر سجدہ میں گر پڑا مگر تجربات اور پیہم تجربات نے بتا دیا، سکھا دیا اور یقین دلا دیا کہ وہ محبت جو کوشش اور صدہا قربانیوں کے بعد انسان حاصل کرتا ہے اُس محبت سے کہیں فروتر ہے، جسے فطری محبت کہا جاتا ہے۔ آپ کسی دوست کے ساتھ کتنی ہی مہربانیاں کیوں نہ کیجیے لیکن آپ محبت کے اُن نازک ترین احساسات کو ہمیشہ کے لیے مستقل طور پر ہرگز نہیں خرید سکتے جو فطری محبت بغیر کسی قیمت کے ادا کیے ہوئے حاصل کرلیتی ہے۔ ممکن ہے کہ ایک دوست آپ کی ایثار پیشگی اور احسانات سے اثر پذیر ہو کر اپنے بیمار ماں باپ اور مجبور بہن بھائی کی امداد کرنے کی بہ نسبت آپ کی طرف جھک جائے لیکن اس سے کبھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہیے کہ اُس کے دل کی گہرائیوں میں آپ سے زیادہ کسی دوسرے کی خدمت کا جذبہ بے تابانہ کشمکش میں مبتلا نہیں ہے۔

فطری محبت ہمیشہ فطری محبت ہی رہے گی خواہ ہزار تلخیاں ہی کیوں نہ حائل ہو جائیں اور اکتسابی محبت اکتسابی ہی رہے گی چاہے ہزار احسانات کسی کے اخلاقی جذبہ کو بیدار کر رہے ہوں۔ اگر آپ پر اور آپ کے کسی دوست کے فطری محبت کرنے والے اعزا پر وقت آپڑے تو آپ کا دوست یقیناً اپنے فطری محبت رکھنے والے اعزا کی زیادہ فکر محسوس کرے گا اور آپ کی فکر اس کو اتنی محسوس نہیں ہو سکتی۔

بعض اوقات جبکہ احسانات کی یاد تازہ ہو آپ میرے قول کے خلاف بھی عمل پائیں گے مگر وہ انسان کے تلون پذیر جذبات کا ایک ہنگامہ ہوگا اور اس سے زیادہ کچھ نہیں حالانکہ عام طور پر دنیا اس ہنگامی جذبہ کو مستقل سمجھ کر غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتی اور یہ محسوس کرنے لگتی ہے کہ اصل محبت اکتسابی محبت ہے۔ فطری محبت نہیں۔ لیکن زندگی کے مختلف انقلابات سے گذرنے کے بعد یقیناً میرے ہی نظریہ کی تصدیق کرنا پڑے گی۔ آپ خود بھی محسوس کر سکتے ہیں کہ فطری تعلق کسی حال میں قطع نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ رگ و ریشہ میں جذب ہے۔ لیکن ایک دوست کی اخلاقی محبت تخیل کا کرشمہ ہے اور بس۔ ابھی کسی بات پر کشیدگی اور عدم احساس کی شکایت پیدا ہو جائے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے؟ عمر بھر کے دوستانہ تعلقات ایک سانس میں ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائیں گے کیونکہ دوستانہ احساس آپ کا خود پیدا کردہ ہے۔ آپ اس کے خدا ہیں اور خدا جب چاہے اپنی مخلوق کو زندہ اور مردہ کر سکتا ہے۔ لیکن فطری محبت کا خدا دوسرا ہے۔ لہٰذا آپ اس کا نہ ایک ذرہ کم کر سکتے ہیں نہ زیادہ۔ ایسی حالت میں غور کیجئے کہ اگر کسی کو متبنیٰ بنا لیا گیا تو کیا وہ آپ کے ناموس اور آپ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں کو اس خوش اسلوبی سے ادا کر سکے گا جو ایک حقیقی بیٹا کر سکتا تھا۔ آپ کا خود ساختہ بیٹا جانتا ہے کہ میرا باپ دوسرا ہے، میری ماں، میرے بہن، بھائی دوسرے ہیں اس شخص نے بعض مصالح کی بنا پر مجھے اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ پھر آپ

اس سے کیونکر امید رکھ سکتے ہیں کہ وہ یہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے اصل بیٹے کی بجائے کام آ سکے گا۔ کیا اس کو اپنے اصلی ماں باپ سے تعلق نہیں رہے گا اور کیا آپ کے قریبی رشتہ داروں سے اس کو وہی مناسبت ہو سکتی ہے جو آپ کو تھی ناممکن اور قطعاً ناممکن۔ جس نظام کو آپ قائم رکھنے کے لئے زبردستی بیٹا بنانے پر تُلے ہوئے تھے وہ ہرگز اس غلط راہ روی سے قائم نہیں رہ سکتا۔ وہ بیٹا ان ہی ماں، باپ کا رہے گا جن کا وہ دراصل ہے۔ میں یہاں پر ہندؤں کے اس رواج کی ستائش کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انھوں نے اصلی ماں باپ سے تمام مادی تعلقات منقطع کرانے کے لئے حقیقی ماں باپ کے حق وراثت سے بھی اسکو محروم کر دیا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ تعلق رکھنے پر مجبور ہو جائے۔ مگر آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ فطری احساسات کو جبری قوانین سے پامال کرنے کی کوششوں کا نتیجہ کبھی بہتر نہیں نکل سکتا اور خصوصاً ایک ابدی اور ہمہ گیر قانون کے لئے تو یہ طرز عمل مناسب خیال ہی نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں ایسی صورت میں آپ کیا کریں گے؟ جب کہ کسی کو متبنّیٰ بنانے کے بعد آپ کو شادی کرنے کا خیال پیدا ہو جائے۔ شادی کے نتیجہ میں ایک بچہ بھی ہو جائے آپ دونوں کو برابر رکھنے کی کوشش کریں گے اگر بفرض محال آپ اس کوشش میں بہ صد مشکل کامیاب بھی ہو گئے تو کیا ان دونوں بیٹوں کے تعلقات خوشگوار رہ سکتے ہیں۔ کیا آپ کے اصلی بیٹے کو اندرونی طور پر اس احساس سے اذیت نہ ہوگی کہ یہ دوسرا بیٹا بلا وجہ میرے حقوق میں شریک ہو گیا میرے حقوق کو غصب کر رہا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ہر چیز کا مالک میں تنہا ہی ہوتا کیا یہ اذیت مناقشات کا باعث نہ ہوگی اور کیا ان خانہ برانداز مناقشات کا باعث آپ کو یقین نہیں کیا جائے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ متبنّیٰ بنانے کی رسم کو مٹا کر اسلام نے اس بات کا بہترین ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ وہ ایک فطری مذہب ہے اور زندگی کا کوئی پہلو اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں

ہو سکتا۔

انسان جن ذہنی اور نفسی محرکات کے تحت اولاد کی خواہش کرتا ہے اُن میں سے ایک اپنی شخصیت کو بقائے دوام دے سکنے کی آرزو بھی ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ میری کوئی ایسی یادگار زندہ رہے جو میرے نام میری شخصیت اور میرے خصائص کے امتیازات کو زندہ رکھ سکے اور یہ آرزو اولاد کے سوا متبنٰی سے کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی۔ متبنٰی بنا کر یادگار قائم کرنے والا اپنی جگہ پر یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ جو چیز بقائے دوام کی آرزو کو تسکین دینے کے لئے چھوڑے جا رہا ہے ہرگز اُس کی شخصیت کی صحیح نمائندگی نہیں کر سکتی۔ نہ میری شخصیت کا اُس کے رگ و ریشہ میں کوئی جزء ہے نہ وہ میری ذہنی، اخلاقی اور جسمانی خصائص و امتیازات کا کوئی نمونہ۔ نہ میری ذہنی اور نفسیاتی ساخت کے جواہر نمایاں ہیں، نہ ہیکلِ جسمانی کی مخصوص اقلیدسی اشکال۔ مگر با ایں ہمہ اپنے ضمیر اور وجدان کو دھوکہ دے کر سراب تخیل سے ہی آرزو کی تشنگی بجھانے کی کوشش کا یہ غیر طبعی میلان و انجذاب کیا وجہ تسکین اور شرمندۂ معنی قرار دیا جا سکتا ہے؟ نہیں پھر آخر ایسی بے معنی حرکت کیوں کی جائے جو مغالطہ آفرینی کے سوا مرکز امید ہو سکنے کی استعداد ہی نہ رکھتی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ انسان اپنی زندگی کو خواب کی شیرینیوں میں گذارنے کے لئے ایسے سیکڑوں مغالطات اپنے نفس و ذہن کو دیتا ہے ذہنی اور نفسیاتی زندگی میں بھی اور مجلسی یا معاشرتی زندگی میں بھی۔ بنا بر ایں اس مغالطۂ ذہنی کی حیثیت بھی جس کو متبنٰی بنانے کی آرزو کہا جاتا ہے دوسرے مغالطات سے پست اور مختلف نہیں کہی جا سکتی۔ لیکن اس کو ایسے حقائق میں بھی شمار نہیں کیا جا سکتا جس کی اجازت ایک ٹھوس اور حقیقی مذہب دے سکتا ہو۔ اسلام خدا کا مذہب ہے اور خدا نہ کسی کو فریب میں مبتلا کرتا ہے نہ فریب کھانے کی اجازت دے سکتا ہے اُس نے عقل و شعور کی قوتیں اسلئے

ہی ودیعت فرمائی ہیں کہ اُن سے حقائق شناسی کا کام لیا جائے۔ اس نکتہ کو یاد رکھئے کہ انسان ایسے مغالطات سے اُس ہی وقت لذت اندوز ہونے کی کوشش کرتا ہے جبکہ اُس کی اخلاقیت پاکیزہ، مستقل اور تابندہ اور اُس کے شعوری رجحانات، روحانی سکون، ابدی ایقان اور شرحِ صدر کی بنیادوں پر اُستوار نہ ہوں جو شخص کہ ارتقا روحانیت کی بلندیوں سے ہر حقیقت اور مغالطہ کو دیکھ رہا، محسوس کر رہا ہو خواہ مخواہ آنکھیں بند کرنے کی کوشش نہیں کر سکتا۔ وہ جانتا ہے کہ دنیا کیا چیز ہے؟ اُس کی آرزوؤں کی کیا وقعت ہے؟ زندگی اور اُس کے بقائے دوام کے امکانات کہاں تک اور کون سے اسباب وعلل سے وابستہ ہیں؟ ایسی حالت میں دنیا اور اُس کے مغالطات کیونکر غلط آرزوؤں کو اُس کے دل میں پیدا ہونے دے سکتے ہیں۔ مغالطہ اُس ہی کو شیرینی مہیا کر سکتا ہے جو مغالطہ میں حقیقت کی ایک جھلک محسوس کرنے کی کمزوری رکھتا ہو اور اسلام کا منشا غیر مکمل احساسات رکھنے والے انسانوں کے گروہ میں اضافہ کرنا نہیں بلکہ وہ وجدان و شعور کی ہر قوت کو بیدار اور مکمل کرنے کا داعی ہے وہ ہرگز عدم تکمیل کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا۔ تبتّی بنانے کا تخیل غیر مکمل ذہنی اور وجدانی قوتوں کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا اسلام ہرگز ایسے نظریہ کی تائید نہیں کر سکتا تھا۔